دوسری جگہ تقریباً یہی مضمون یوں ہے :۔

فاصفح الصفح الجمیل (۱۵: ۸۵) عمدگی سے درگذر کرو۔

صبر کے لئے بھی نرا صبر مطلوب نہیں بلکہ :۔

فاصبر صبراً جمیلاً (۷۰: ۵) عمدہ قسم کا صبر کرو

چنانچہ سیدنا یعقوب نے یوسف اور بن یمین دونوں کی گمشدگی پر یہ فرمایا :۔

فصبرٌ جمیل (۱۲: ۱۸، ۱۲: ۸۳) میں حسین صبر کروں گا ۔

صرف حَسین نہیں بلکہ حَسین تر: اس سلسلے میں ایک ضروری نکتہ یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ مطلوب محض کوئی شئے حَسَن (اچھی چیز) نہیں اصل مطلوب شئے اَحسن (بہتر سے بہتر یا بہترین چیز) ہے۔ ترکِ قبیح ابتدائی قدم ہے اور اختیارِ حَسَن، دوسرا قدم۔ اس کے بعد اِس حُسن میں مسلسل ارتقا ہوتا رہیگا۔ کیونکہ حُسن ایک اضافی چیز ہے اور اَحسَن کی تلاش ایک لامتناہی ارتقائی عمل ہے اور یہی اصل مطلوب ہے۔ چند آیات اس کے متعلق بھی سُن لیجئے :۔

موت وحیات کی آفرینش کی غرض ہی اَحسنِ عمل ہے :۔

الذی خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم خدا نے موت وحیات کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ تمہیں
ایکم احسن عملاً ۔ ۔ ۔ (۶۷: ۲) آزمائے کہ تم میں بہتر سے بہتر عمل کس کا ہے ۔

زمین اور اس کے حسین خزائن کی غرضِ آفرینش بھی یہی ہے :۔

انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا ہم نے زمین پر جو کچھ بھی پیدا کیا ہے وہ اس کیلئے زینت ہے
لنبلوھم ایھم احسن عملاً (۱۸: ۷) تاکہ وہ آزما کر دیکھے کہ ان میں سب سے بہتر عمل کس کا ہے ۔

اہلِ کتاب سے مباحثے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے وُہ یوں ہے :۔

ولا تجادلوا اھل الکتٰب الا بالتی ھی احسن ۔ ۔ (۲۹: ۴۶) اہل کتاب سے بہتر سے بہتر طریق پر مباحثہ کرو۔

عام اندازِ مباحثہ کے لئے بھی یہی حکم ہے :۔

وجادلھم بالتی ھی احسن (۱۶: ۱۲۵) ان سے بہتر سے بہتر طریقے سے مباحثہ کرو

یتامیٰ کے غریب نگراں اپنا معاوضہ لینا چاہیں تو اس کا انداز یہ ہو :۔

ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن ۔ ۔ (۶: ۱۵۲، ۱۷: ۳۴) مالِ یتیم کے قریب بہتر سے بہتر ہی طریق پر جا سکتے ہو۔

زبان سے بات نکالتے وقت بھی بہتر سے بہتر ہونے کا خیال ضروری ہے :۔

وقل لعبادی یقولوا التی ھی احسن ۔ ۔ (۱۷: ۵۳) میرے بندوں سے کہو کہ وہ بہتر سے بہتر بات کریں۔

برائی کو دُور کرتے وقت بھی بہتر سے بہتر طریقہ اختیار کرنا چاہئے :۔

(الف) ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ ... (۹۶:۲۳)
برائی کو بہترین طریق پر دُور کرو۔

(ب) ادفع بالتی ھی احسن ... (۴۱:۳۴)
بہترین طریقے پر برائی کا دفاع کرو۔

جوابِ سلام میں بھی بہتر سے بہتر جواب دینے کا حکم ہے :۔

واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منہا اوردوھا۔ (۴ : ۸۶)
جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سلام سے بہتر جواب دو، ورنہ ویسا ہی سہی۔

قرآن کو احسن الحدیث فرمایا گیا ہے :۔

اللہ نزل احسن الحدیث ... (۳۹:۲۳)
اللہ نے احسن حدیث (بہترین بات) نازل فرمائی۔

کتاب اللہ میں سے بھی احسن چیز کے اتباع کا حکم ہے :۔

واتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم ... (۳۹/۵۵)
جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اسکے بہترین حصے کا اتباع کرو۔

یہاں یہ شبہہ نہ ہونا چاہیئے کہ کتاب اللہ میں غیر حسن چیزیں بھی ہیں، موقعے اور تقاضے کے اختلاف سے ایک حسن چیز غیر حسن اور وہی دوسرے موقع پر احسن ہو جاتی ہے، جیسے بے وقت نماز اور باوقت نماز، اسی مضمون کو دوسری جگہ یوں بیان فرمایا گیا ہے :۔

الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ (۳۹:۵۵)
میرے ان بندوں کو بشارت دو جو قولِ الٰہی سن کر اس کے بہترین حصے کا اتباع کرتے ہیں،

اسی انداز کی ہدایت بنی اسرائیل کو بھی کی گئی تھی کہ :۔

.... وأمر قومک یاخذوا باحسنہا .... (۷ : ۱۴۵)
اے موسیٰ! اپنی قوم کو حکم دو کہ تورات کے بہترین حصے کو اختیار کریں۔

اللہ تعالیٰ اپنی قبولیت کا شرف بھی ان اعمال کو بخشتا ہے جو بہترین اور حسین ترین ہوں :۔

اولئک الذین نتقبل عنہم احسن ما عملوا .. (۴۶/۱۶)
یہ ہیں وہ لوگ جن کے حسین ترین اعمال کو ہم قبول کرتے ہیں۔

قانونِ جزائے اعمال میں بھی اسی کا لحاظ ہے :۔

(الف) لیجزیھم اجرھم باحسن الذی کانوا یعملون (۳۹/۳۵)
تاکہ اللہ انھیں ان کے حسین ترین اعمال کا بدلہ دے۔

(ب) ولنجزین الذین صبروا اجرھم باحسن ما کانوا یعملون۔ (۱۶:۹۶)
ہم صابروں کو ان کے حسین ترین اعمال کی جزا دیں گے۔

(ج) ... ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون (۱۶/۹۷)
عمل صالح کرنیوالوں کو ہم انکے حسین ترین اعمال کا اجر عطا کرینگے

خدا خود جو جزا دے گا وہ بھی بہترین اور حسین ترین ہی ہے :۔

(الف) ولنجزینھم احسن الذی کانوا یعملون (۲۹/۷)
ہم انھیں ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دیں گے۔

(ب) لیجزیہم اللہ احسن ماکانوا یعملون (۹ : ۱۲۱) تاکہ اللہ تعالیٰ انھیں ان کے اعمال کی بہترین جزا دے

(ج) لیجزیہم اللہ احسن ما عملوا .... (۲۴ : ۳۸) تاکہ اللہ انھیں اعمال کا حسین ترین بدلہ دے۔

انسانی تخلیق کو خدا احسن تقویم (بہترین سانچہ) قرار دیتا ہے :۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (۹۵ : ۴) ہم نے انسان کو حسین ترین سانچے میں ڈھال کر بنایا ہے۔

غرض بیشمار آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی پسند صرف حسن نہیں بلکہ "احسنیت" ہے اور بندوں سے ہر مرحلے میں یہی احسنیت مطلوب ہے، یعنی اختیار حسن میں بھی مسلسل ارتقا ہونے رہنا چاہیئے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے :۔

ومن یقترف حسنۃ نزدلہ فیہا حسنًا ... (۴۲ : ۲۳) جو شخص حسن عمل کو اختیار کرے گا ہم اس کیلئے اس میں اور اضافہ حسن کرتے جائیں گے۔

احسن ہی کا مؤنث ہے حُسنیٰ۔ پس جہاں جہاں حُسنیٰ کا لفظ آیا ہے وہاں بھی بہترین، خوب ترین اور حسین ترین ہی شے مراد ہے، مثلاً :۔

(الف) ... ان لہم الحُسنیٰ .... (۱۶ : ۶۲) ان کے لئے حسین ترین بدلہ ہے۔

(ب) .... فلہ جزاء ن الحُسنیٰ ... (۱۸ : ۸۸) اس کے لئے بہترین جزا ہے۔

ان مقامات کے علاوہ قرآن نے جنت کی جو نقشہ کشی کی ہے وہ خود ہمہ تن جمال آفرینی اور حسنِ ذوق کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ باغ و بہار، روانیٔ انہار، شادابیٔ اشجار، لولو و مرجان، حور و قصور، تکیہ و قالین، ساغر و مینا، جام لبریز کیا کچھ نہیں ہے۔ ہم ان تفصیلات کو سردست چھوڑتے ہیں۔

الغرض آسمانوں، زمین، مخلوقاتِ زمین، لباس، انعام (چوپائے) ساری مخلوقات، انسان، ثواب و اجر، وعظ و پند، عمل، دعا، سفارش، ابتلا، متاعِ زندگی، رزق، وعدے، اسمائے الٰہیہ، تسریح (الگ کرنا)، ہجر (چھوڑنا)، صبر، مقصد خلق، مناظرے، تصرفِ مالِ یتیم، گفتگو، مکافاتِ جزا، جواب سلام، اتباع اوامر وغیرہ میں ہر جگہ حسن، جمال، زینت اور خوبی ہی مطلوب ہے اور صرف حسن و جمال ہی نہیں بلکہ احسنیت اور اجملیت کی ایسی ارتقائی شکل مطلوب ہے، جہاں کوئی ٹھہراؤ نہ ہو، یعنی :

ہو جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں

رئیس احمد جعفری

قرآن کا روادارانہ مسلک

ہر نیا مذہب یہ چاہتا ہے کہ دوسرے ادیان ختم ہو جائیں اور وہ ان سب کی جگہ لے لے۔ ہر داعی مذہب یہ کوشش یہ کرتا ہے کہ اس کی دعوت پھیلے اور روئے زمین پر چھا جائے۔ لیکن اس خواہش اور کوشش میں بہت جلد جبر اور جور کے عناصر شامل ہو جاتے ہیں اور اگر حالات کی نامساعدت کے باعث جبر و جور ممکن نہیں ہوتا تو تند اور سخت الفاظ کی یورش شروع ہو جاتی ہے لیکن اسلام اور داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامن ان دونوں چیزوں سے پاک ہے۔ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ جس رواداری، وسعت قلب و ظرف، عالی حوصلگی اور مساواتِ کامل کا نمونہ پیش کیا ہے دنیا کا کوئی مذہب اور دنیا کی کوئی قوم اس معاملہ میں اس کی حریف نہیں بن سکتی اور مسلمانوں نے اپنے محکوم غیر مسلموں کے ساتھ ہر دور اور ہر عہد میں ـــــ خواہ وہ عملی اعتبار سے اسلام کے اصول اور تعلیم سے کتنے ہی ہٹ گئے ہوں ـــــ جس مساوات، رواداری اور شفقت کا برتاؤ کیا ہے اس کی مثال بھی تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔

جو قرآن آج ہمارے سامنے موجود ہے یہ بالکل وہی ہے جو آج سے چودہ سو برس پہلے محمد بن عبداللہ (ربا آبانا و امہاتنا) پر نازل ہوا تھا۔ اس میں نہ ایک شوشہ بڑھا ہے اور نہ ایک نقطہ کم ہوا ہے۔ قرآن کی تعلیم و تلقین اس کے بنائے ہوئے اصول اور ضابطے، اس کا پیش کیا ہوا دستور و آئین، اس کے قائم کئے ہوئے روایات و معاملات، اس کے حل کئے ہوئے مسائل و مشکلات آج بھی جوں کے توں موجود ہیں۔ ان میں کوئی تغیر نہیں ہوا اور جب تک مسلمان اس کرۂ ارض کے اوپر اور اس چرخِ نیلی فام کے نیچے موجود ہیں ہو بھی نہیں سکتا۔ نیز ایک مسلمان جس طرح سنہ ۱ھ میں اس پر اعتقاد رکھتا تھا اسی طرح ۱۳۷۳ھ میں بھی رکھتا ہے لہٰذا قرآن کریم سے جو استنباط کیا جائے گا۔ اور جو حوالہ دیا جائے گا وہ شک و ریب سے بالا ہوگا۔ قرآن کی تعلیم کا مرکز صرف یہ خیال ہے کہ دوسرے اس دعوت حق کو سنیں، سمجھیں، مانیں اور گردن جھکا دیں۔ لیکن وہ اسے پسند نہیں کرتا، کہ جبر و جور یا سب و شتم سے کام لیا جائے۔ وہ صاف اور واضح الفاظ میں فرماتا ہے: ۔

قل یا ایھا الکفرون۔ لا اعبد ما تعبدون۔ ولا انتم عٰبدون ما اعبد۔
ولا انا عابد ما عبدتم۔ ولا انتم عٰبدون ما اعبد۔ لکم دینکم ولی دین

(اے پیغمبر) کہہ دو کہ اے کافرو! میں ان (معبودوں) کی پرستش نہیں کرتا جن کی تم کرتے ہو۔ اور جس کی میں پرستش کرتا ہوں اسکی پرستش تم نہیں کرتے (نہ) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرونگا جنکی تم پرستش کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی

پرستش کروگے جس کی میں پرستش کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔

یہ چند آیتیں رواداری کا ایک ایسا نشان ہیں جو اپنی نوعیت میں فرد ہے، جس کی مثال صفحہ ارض پر کہیں نہیں ملتی یہ میثاق صاف، واضح اور غیر مشکوک الفاظ میں کافروں اور مشرکوں کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں اپنی روایات معاملات اور مسائل پر قائم رہیں۔ "لکم دینکم ولی دین" یہ وہ الفاظ رواداری اور وسعتِ قلب کا ایسا چارٹر ہیں جس پر آج بھی دنیا کی کسی قوم کا عمل نہیں صرف یہی نہیں کہ عمل نہیں نظری اور اصولی طور پر بھی جسے دنیا نے یا دوسرے الفاظ میں مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں اور ملتوں نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ ہم تاریخ تک کو جھٹلا سکتے ہیں لیکن کیا مشاہدات کو بھی جھٹلا دینگے؟ ـــ ہماری آنکھیں آج اپنے گرد و پیش کیا دیکھ رہی ہیں؟ کیا اس معاملہ میں دنیا کی کوئی قوم بھی دیانتداری کے ساتھ ہماری حریف بن سکتی ہے؟ ـــ کلا ثم کلا۔

تفسیر جلالین میں ان آیات کا شانِ نزول یہ بتایا گیا ہے:

قال رهط من المشركين للنبي نعبد الهتنا سنة ونعبد الهك سنة[1]۔

یعنی مشرکین کی ایک جماعت نے آنحضرتؐ سے کہا (سمجھوتہ یوں ہو سکتا ہے کہ) ایک برس آپ ہمارے معبودوں کو پوجیں، ایک سال ہم آپ کے خدا کو پوج لیا کرینگے۔

اس کے جواب میں قرآن کہتا ہے نہیں عقائد کے معاملہ میں مفاہمت نہیں ہو سکتی۔ ہم اپنے مسلک سے منحرف نہیں ہو سکتے تم اپنے مسلک پر قائم رہو!

رواداری کی اساس! لیکن آخر اسلام اس قدر وسیع القلب اور روادار کیوں ہے؟ وہ اپنی سچائی کو زور و قوت اور طاقت کے بل پر منوانے سے کیوں گریز کرتا ہے؟ وہ صرف افہام و تفہیم اور دعوت و تبلیغ ہی پر زور کیوں دیتا ہے؟ وہ بھی موقع پا کر کیوں نہیں تلوار نکالتا اور مخالفوں، بدخواہوں، منکروں، کافروں اور مشرکوں کی گردن اڑا دیتا ہے؟

ہاں ایسا ہو سکتا تھا لیکن اس لئے نہیں ہوا کہ دلیل تلوار سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ اسلام ناقابلِ فہم فلسفے، پیچیدہ اور دور از کار نظریات، عوام الناس کی فہم سے بالاتر تصورات، داستان، قصوں کہانیوں، روایتوں اور شعروں کا مجموعہ نہیں ہے، جسے اگر کوئی نہ سمجھے یا سمجھنا نہ چاہے تو اس کی اصلاح کے لئے تلوار کا نسخہ ضروری ہو۔ وہ اپنے جلو میں آیات محکمات رکھتا ہے، دلائل واضحہ رکھتا ہے، ایسی نشانیاں رکھتا ہے جو آنکھ بند کر لینے کے بعد بھی دکھائی دیتی ہیں۔ وہ خارج از قیاس باتیں نہیں کرتا، ایسی باتیں کہتا ہے جنھیں ایک عامی، ایک جاہل، ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔ وہ افلاطون اور سقراط کا فلسفہ نہیں پیش کرتا۔ آیتیں اور نشانیاں پیش کرتا ہے، وہ ذہن و دماغ کو مرعوب اور دہشت زدہ نہیں کرتا انھیں صحیح راستہ پر ڈالتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ مانو، اور نہیں مانو گے تو مٹ جاؤ گے۔ وہ صرف یہ کہتا ہے کہ دیکھو اور غور سے دیکھو، سنو

[1] تفسیر جلالین ص ۵۰۵۔

اور توجہ سے سنو، سوچو اور غیر جانبداری کے ساتھ۔ تھوڑی دیر کے لئے خالی الذہن ہو کر سوچو۔ اس دُنیا کے نظام کو اور اس کی باقاعدگی کو دیکھو۔ دریاؤں کی روانی، سمندروں کا مدوجزر، چاند، سُورج اور ستاروں کا طلوع و غروب، ایک ہی پانی سے سیراب ہو کر اور ایک ہی زمین میں دفن ہو کر اور ایک ہی زمین سے پیدا ہو کر کسی بیج کا گیہوں بن جانا، کسی کا جوار، کسی کا دھان، کسی کا آم، کسی کا خربوزہ، کسی کا تربوز۔ ——— یہ تاثیر کس نے پیدا کی ہے؟ یہ نظام کس نے قائم کیا ہے؟ یہ اصول کس نے بنایا ہے؟ ذرا سوچو، کیا ان بتوں نے جن کے خالق تم خود ہو؟ اور ذرا سے توجہی کر دو تو وہ پھر مٹی کا ڈھیر بن جائیں؟ کیا ان دیویوں اور دیوتاؤں نے جنھیں یہ توفیق کبھی نہیں کہ سورج کو مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع کر دیں؟ کیا ان مظاہر اور مناظر نے جنھیں تم بڑے ذوق شوق سے پوجتے اور مانتے ہو؟ لیکن جو قدرت کی ایک معمولی ضرب کی تاب بھی نہیں لا سکتے؟ ——— کیا یہ باتیں خُدا کی یکتائی پر دلالت نہیں کرتیں؟ اس کی سلطانی اور کارفرمائی کا زندہ جاوید اور ناقابلِ تردید ثبوت نہیں؟ ——— جب سوچو گے، تو دل مانے گا، لیکن دماغ خاندانی بندشوں دماغی الجھنوں، روایاتی دشواریوں کا سنگِ گراں پیش کر دے گا۔ پھر اگر تم حق کو محسوس کرنے کے باوجود نہیں مانتے تو بدقسمت ہو، اس قابل ہو کہ تمہیں تمہارے حال پہ چھوڑ دیا جائے۔ اب حق و باطل مخلوط نہیں، الگ ہو چکے ہیں، تمہارے سامنے دونوں راستے موجود ہیں۔ خواہ حق کو قبول کر لو خواہ باطل کو، چنانچہ سورۂ بقرہ میں فرمایا:

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی

دین میں زبردستی (کا کچھ کام) نہیں گمراہی سے ہدایت الگ ظاہر ہو چکی ہے۔

گویا رواداری کی اساس یہ قرار پائی کہ چونکہ حق اور باطل نے جداگانہ اور ممتاز صورت اختیار کر لی ہے، لہٰذا اب جبر و جور کا سوال ہی باقی نہیں رہتا، ہاں افہام و تفہیم کا راستہ کھلا ہوا ہے۔

تفسیر جلالین میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ:

ظھر بالآیات البینات ان الایمان رشد والکفر غیّ

یعنی آیاتِ بینات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ایمان "رشد" (ہدایت) ہے اور کفر "غیّ" (گمراہی)[1]

افہام و تفہیم! قرآن کریم کا جتنا غائر مطالعہ کیا جائے گا، اتنی ہی یہ حقیقت منکشف ہوتی چلی جائے گی کہ اسلام صرف افہام و تفہیم کا قائل ہے وہ دِل جیتنا چاہتا ہے، سر اور زبان نہیں وہ رواداری کے اصول پر اتنا زیادہ جما ہوا ہے کہ اسے بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ جوشِ عقیدت یا غلو میں آ کر کوئی شخص مذاہب باطلہ کے معبودوں کیلئے کوئی نازیبا و ناملائم لفظ استعمال کرے، وہ باطل کو باطل کہتا ہے، جہالت کو جہالت، کفر کو کفر، شرک کو شرک اور گمراہی کو گمراہی قرار دیتا ہے، لیکن اسے تسلیم نہیں کرتا، کہ حقانیت ثابت کرنے کیلئے دلیل کے علاوہ سب و شتم یا ہتھیار کا سہارا بھی لیا جائے، چنانچہ سورۂ انعام میں فرمایا:

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم۔

---

[1] تفسیر جلالین ص۴۲